دعوتی اور تنظیمی کاموں کے لئے زکوٰۃ کا استعمال

خالد سیف اللہ رحمانی

اسلامک فاؤنڈیشن ٹورنٹو (کناڈا) نے یکم تا ۳ رمئی ۲۰۰۹ء کو ''فقہ اسلامی کانفرنس'' رکھی تھی، جس میں مغربی ممالک کو درپیش متعدد مسائل کے بارے میں سوالات کئے گئے تھے، ان میں ''دعوتی وتنظیمی کاموں کے لئے زکوٰۃ'' اور ''تعلیمی مقاصد کے لئے زکوٰۃ'' بھی شامل تھے، اس شمارہ میں ان دونوں موضوعات سے متعلق جوابات شامل ہیں، آئندہ بعض اور موضوعات کے جوابات بھی شامل اشاعت ہوں گے۔ انشاء اللہ (رحمانی)

تنظیمی کاموں کے لئے

زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں، قرآن مجید میں صراحت ووضاحت کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مدات کو میرے اختیار میں نہیں رکھا؛ بلکہ خود انھیں متعین فرمادیا :

إن الله لم يرض بحكم نبى ولا غيره فى الصدقات حتى حكم فيها هو فجزاها ثمانية أجزاء ۔ (۱)

اس لئے نظم ونسق اور تنظیمی کاموں میں زکوٰۃ کا استعمال درست نہیں، موجودہ دور میں بعض حضرات نے ''فی سبیل اللہ'' کے مد میں عموم پیدا کرتے ہوئے ایسے مصارف میں زکوٰۃ کو خرچ کرنے کی اجازت دی ہے؛ لیکن حقیقت یہی ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ میں 'فی سبیل اللہ' کی تعبیر ایک اصطلاح کے طور پر آئی ہے، اہل لغت نے بھی لکھا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ جب مطلق استعمال ہو تو اس سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے :

وإذا أطلق ، فهو فى الغالب واقع على الجهاد حتى صار لكثرة

(۱) أبوداؤد ، عن زياد بن الحارث الصدائى ، كتاب الزكوٰة ، باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى، حدیث نمبر: ۱۶۳۰

الاستعمال كانه مقصور عليه ۔ (۱)

جب ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ مطلق ہو، تو اکثر اس سے جہاد ہی مراد لیا جاتا ہے، یہاں تک کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے یہ لفظ ایسا ہو گیا ہے کہ گویا اس کا صرف یہی معنی ہے۔

اسی طرح علامہ بدرالدین عینی شارح ہدایہ کا بیان ہے :

سبيل الله عباد ة عن جميع القرب ؛ لكن عند الاطلاق يصرف إلى الجهاد ۔ (۲)

سبیل اللہ یوں تو نیکی کے تمام کاموں کو شامل ہے؛ لیکن جب مطلق یہ لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے۔

اسی طرح کی بات شمس الائمہ سرخسی نے بھی لکھی ہے، (۳) —— اس سلسلے میں علامہ ابن عربی کی بات بھی نقل کئے جانے کے لائق ہے کہ اس آیت میں فی سبیل اللہ سے جہاد فی سبیل اللہ مراد ہونے میں کوئی اختلاف نہیں؛ چنانچہ فرماتے ہیں :

سبل الله كثيرة ، ولكنى لا أعلم خلافا فى أن المراد بسبيل الله هاهنا الغزو من جملة سبيل الله ۔ (۴)

اللہ کے راستے بہت ہیں؛ لیکن میرے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں ''اللہ کے راستے'' سے مراد جہاد ہے، جو من جملہ اللہ کے راستوں کے ہے۔

موجودہ دور کے بعض اہل علم نے فی سبیل اللہ کا مصداق تو جہاد ہی قرار دیا ہے؛ لیکن جہاد کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کو بھی اس میں شامل رکھا ہے؛ لیکن اس حقیر کے خیال میں اصل اصطلاحی جہاد ''جہاد بالسیف'' ہے اور وہی یہاں مراد ہے؛ اسی لئے حدیث میں فی سبیل اللہ کی تشریح کرتے ہوئے غازی فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے :

لا تحل الصدقة لغنى الا لخمسة : لغاز فى سبيل الله ولعامل عليها الخ ۔ (۵)

---

(۱) تاج العروس: ۳۶۶/۷، نیز ملاحظہ ہو: لسان العرب: ۳۲۰/۱۱

(۲) البنايه على الهدايه: ۲۵۸/۲

(۳) دیکھئے: المبسوط: ۱۰/۳

(۴) احكام القرآن لابن العربى: ۹۶۹/۲

(۵) ابوداؤد ، كتاب الزكوٰه ، باب من يجوز له اخذالخ، حدیث نمبر: ۱۶۳۵

زکوٰۃ کسی مالدار کے لئے حلال نہیں ہے، سوائے پانچ صورتوں کے، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لئے، زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لئے.....۔

اور جہاد باللسان اور جہاد بالقلم پر جہاد کے لفظ کا اطلاق تو کیا گیا ہے؛ لیکن میرے حقیر علم کے مطابق ان پر غزوہ کا اطلاق نہیں کیا گیا ہے؛ اس لئے نظم ونسق اور تنظیمی کاموں کے لئے زکوٰۃ کا استعمال جائز نہیں، (اس حقیر نے اپنی تالیف ''نوازل فقہیہ معاصرہ'' جلد اول میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے)۔

دعوتی مقاصد کے لئے

جہاں تک دعوتی مقاصد کے لئے زکوٰۃ کے استعمال کی بات ہے، تو اس سلسلے میں ہمیں مؤلفۃ القلوب کے مد سے رہنمائی مل سکتی ہے، قرآن مجید کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف مؤلفۃ القلوب ہے، آیت کے سیاق میں مؤلفۃ القلوب کے لغوی معنی ہوئے ''وہ لوگ جن کی دلداری کے لئے ان کو زکوٰۃ دی جائے'' اب فقہاء کے یہاں اس مد کے سلسلے میں دو بحثیں آئی ہیں، ایک یہ کہ مؤلفۃ القلوب سے کون لوگ مراد ہیں؟ دوسرے مؤلفۃ القلوب کا مد باقی ہے یا ختم ہوگیا؟

مؤلفۃ القلوب کے مصداق کون لوگ ہیں اور اس کی کیا کیا صورتیں تھیں؟ اس پر علامہ مقدسی نے نسبتاً زیادہ وضاحت سے روشنی ڈالی ہے، ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر مؤلفۃ القلوب دو طرح کے ہیں: ایک مسلمان، دوسرے غیر مسلم، غیر مسلموں میں مؤلفۃ القلوب کی دو صورتیں ہیں :

(۱) جن کے بارے میں توقع ہو کہ اگر ان کی مدد کی جائے گی تو وہ اسلام قبول کرلیں گے :

أحدهما من يرى إسلامه ، فيعطى لتقوى نيته فى الاسلام وتميل نفسه اليه ، فيسلم ، فإن النبى صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة اعطى صفوان بن امية۔

غیر مسلم مؤلفۃ القلوب میں سے ایک وہ ہیں، جن کے مسلمان ہوجانے کی اُمید ہو، ان کو زکوٰۃ دی جائے گی؛ تاکہ اسلام کے سلسلہ میں ان کا ارادہ مستحکم ہوجائے، ان کے اندر اس کو قبول کرنے کی رغبت پیدا ہو اور وہ اسلام قبول کرلیں؛ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن صفوان بن امیہ کو عطا فرمایا تھا۔

(۲) جس سے شر کا اندیشہ ہو اور مالی اعانت کے ذریعہ اس کے شر کو روکا جاسکتا ہو :

والضرب الثانى من يخشى شره ، فيرجى بعطيته كف شره وكف شر غيره معه ۔

دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں، جن کے شر کا اندیشہ ہو، اگر ان کو دیا جائے تو اُمید ہو کہ ان کے شر سے یا اس کے بشمول دوسروں کے شر سے حفاظت حاصل ہو سکے گی۔

اور مسلمانوں میں مؤلفۃ القلوب کی چار صورتیں ہیں :

(۱) وہ مسلمان سردار جن کے درجے کے غیر مسلم لوگ بھی ان کی قوم میں موجود ہوں اور اگر ان کی اعانت کی جائے، تو اُمید ہو کہ اس کی وجہ سے ان غیر مسلموں کو ایمان کی توفیق ہوگی :

قوم من سادات المسلمين لهم نظراء من الكفار أو من المسلمين الذين لهم نية حسنة فى الاسلام ، فإذا اعطوا رجى الاسلام نظرائهم وحسن نياتهم ، فيجوز اعطاء هم .

مسلمان سرداروں میں سے ایسے لوگ جن کے درجے کے غیر مسلم بھی اس قوم میں موجود ہوں، یا ایسے مسلمان کہ جو اسلام میں بہتر ارادہ کے حامل ہوں، اگر انھیں دیا جائے تو توقع ہو کہ ان کے درجہ کے دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کر لیں گے اور ان میں بھی خلوصِ نیت پیدا ہوگا، تو ایسے مسلمان سرداروں یا عام مسلمانوں کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔

(۲) وہ نومسلم سردار جن کا اپنے قوم میں اثر ورسوخ ہو اور ان کی بات مانی جاتی ہو، اگر ان کا تعاون کیا جائے، تو امید ہو کہ ان کے اندر ایمان میں استقامت پیدا ہوگی اور جہاد میں ان سے مدد ملے گی :

الضرب الثانى : سادات مطاعون فى قومهم ، يرجى بعطيتهم قوة ايمانهم ومناصحتهم فى الجهاد فيعطون .

دوسری قسم ان سرداروں کی ہے کہ جن کی بات ان کی قوم میں مانی جاتی ہے، اگر ان کو دیا جائے تو اُمید ہے کہ ان دوسرے لوگوں کا ایمان بھی مضبوط ہوگا اور وہ جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کریں گے، تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

(۳) وہ مسلمان جو اسلامی مملکت کی سرحد پر واقع ہوں اور اُمید ہو کہ اگر ان کی مدد کی جائے گی، تو وہ سرحد پر واقع دشمنوں سے اپنے ملک کا دفاع کریں گے :

الضرب الثالث قوم فى طرف بلاد الاسلام ، إذا اعطوا دفعوا عمن يليهم من المسلمين .

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے، جو اسلامی مملکت کی سرحدوں پر ہوں، اگر انھیں دیا جائے ،تو وہ وہاں سے متصل غیر مسلموں کے مقابلہ مسلمانوں کی مدافعت کریں گے۔

(۴) وہ مسلمان کہ اگر ان کا مالی تعاون کیا جائے ،تو وہ اپنے قرب وجوار میں واقع مالدار مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کریں گے :

الضرب الرابع : قوم إذا اعطوا جبوا الزكوٰة ممن لا يعطيها ۔ (۱)

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے کہ اگر انھیں زکوٰۃ دی جائے ،تو وہ ان لوگوں سے زکوٰۃ اکٹھا کر کے دیں گے، جو زکوٰۃ نہیں ادا کرتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی مؤلفۃ القلوب کی یہی قسمیں ہیں، بعض فقہاء نے ان سب کا ذکر کیا ہے اور بعض نے ان میں سے بعض صورتوں کا۔

جہاں تک یہ مسئلہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مد باقی ہے یا ختم ہو چکا؟—— تو اس سلسلے میں دونوں نقاطِ نظر پائے جاتے ہیں اور دونوں طرف معتبر اہل علم کی اچھی خاصی تعداد ہے، حنفیہ نے عام طور پر یہی لکھا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مصرف باقی نہیں رہا اور بہت سے لوگوں نے اس پر اجماع صحابہ کا دعویٰ بھی کیا ہے ''.....**وعلى ذلك انعقد الاجماع** ''(۲)—— فقہاء مالکیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب میں کافروں والا مد باقی ہے؛ چنانچہ مختصر خلیل میں ہے :

ومؤلف كافر ليسلم وحكمه باقٍ ۔ (۳)

(مصارفِ زکوٰۃ میں) تالیف قلب کے لئے دیا جانے والا غیر مسلم بھی ہے؛ تاکہ وہ اسلام قبول کر لے اور اس کا حکم باقی ہے۔

اور ''التاج والاکلیل'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

ابن بشير : الصحيح أن حكم المؤلفة قلوبهم باقٍ ، قال ابو محمد : لكن لا يعطون إلا وقت الحاجة اليهم ، واختلف فى صفتهم ، فقيل : هم صنف من الكفار ، يعطون ليتألفوا على الاسلام ، وقيل هم قوم اسلموا فى الظاهر ولم يستقر الاسلام فى قلوبهم ، فيعطون ليتمكن

(۱) دیکھئے:الشرح الكبير مع المقنع والإنصاف:۲۳۱/۷-۲۳۵

(۲) هدايه مع الفتح:۲۰۱/۲، نیز دیکھئے:بدائع الصنائع:۱۵۳/۲

(۳) مواهب الجليل:۲۳۱/۳

الاسلام فی قلوبهم ، وقيل : هم قوم من عظماء المشركين اسلموا ولهم اتباع ، يعطون ، ليتالفوا أتباعهم على الاسلام ، وهذه الاقوال متقاربة المعنى ، والقصد بجميعها الا عطاء لا يتقوىٰ اسلامه حقيقة الا بالاعطاء ، فكانه ضرب من الجهاد ، وقد علمت الشريعة ان المشركين ثلاثة اصناف : صنف يرجع باقامة الدليل واظهار البرهان ، وصنف بالقهر والسيف ، وصنف بالاعطاء والاحسان ، فليستعمل الامام الناظر للمسلمين مع كل صنف ما يكون سبب نجاته وخلاصه من الكفر ۔ (۱)

صحیح یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حکم باقی ہے، ابومحمد نے کہا ہے کہ لیکن انھیں بوقت ضرورت ہی دیا جائے گا، مؤلفۃ القلوب کون لوگ ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ کفار کا ایک گروہ ہے، جن کو اسلام سے مانوس کرنے کے لئے دیا جائے گا، بعض لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو بظاہر مسلمان ہو چکے ہیں؛ لیکن ان کے دلوں میں اسلام پیوست نہیں ہوا ہے؛ لہٰذا ان کو اس لئے دیا جائے گا کہ اسلام ان کے دل میں بیٹھ جائے، ایک رائے ہے کہ یہ مشرکین کے سردار ہیں، جو مسلمان ہو چکے ہوں اور ان کے بہت سے متبعین ہوں، ان کو دیا جائے گا؛ تاکہ ان کے متبعین اسلام سے مانوس ہوں، یہ تمام اقوال مقصد کے اعتبار سے قریب قریب ہیں، کہ جن کو دیئے بغیر ان کا اسلام پختہ نہ ہو، ان کو دیا جائے؛ لہٰذا گویا یہ جہاد ہی کی ایک قسم ہے، نیز شریعت نے ہمیں بتایا ہے کہ مشرکین تین قسم کے ہیں: ایک وہ جو دلیل و برہان کے بنا پر اس کو قبول کرتے ہیں، دوسرے: وہ جو طاقت اور شمشیر کے ذریعہ اسلام کی طرف آتے ہیں، تیسرے وہ جو داد و دہش اور اور احسان کے ذریعے اسلام کی طرف آتے ہیں؛ لہٰذا امام جو مسلمانوں کا نگہبان ہے، وہ ہر قسم کے ساتھ وہ طریقے اختیار کرے گا، جو اس کے نجات اور اخلاص کا ذریعہ ہو سکے۔

فقہاء شوافع کے اقوال اس سلسلے میں مختلف ہیں: ایک قول اس مد کے باقی رہنے کا ہے اور دوسرا اس کے برخلاف؛ لیکن قولِ مشہور یہی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مد باقی نہیں رہا اور جو لوگ اس مد کو باقی مانتے ہیں، ان کے

(۱) التاج والاكليل بهامش مواهب الجليل:۲۳۱/۳

نزدیک بھی صرف مسلمان ہی مؤلفۃ القلوب کا مصرف ہیں، پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ مؤلفۃ القلوب کی مدد زکوٰۃ سے کی جائے گی یا مصالح کی مد سے یا مجاہدین کے حصہ میں سے؟ —— خود امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کی مد سے بھی انھیں دیا جائے گا اور مجاہدین کے حصہ میں سے بھی :

والصواب أنها اقوال : أحدها من سهم المؤلفة ، والثانی : من المصالح ، والثالث : من سهم الغزاة والرابع : قال الشافعیؒ یعطون من سهم المؤلفة وسهم الغزاة ۔ (۱)

صحیح یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کے سلسلے میں کئی اقوال ہیں : ایک یہ کہ ان کو زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب کی مد سے دیا جائے گا، دوسرے یہ کہ ان کو بیت المال کے مصالح مسلمین کے فنڈ سے دیا جائے گا، تیسرے یہ کہ مجاہدین کے حصہ میں سے دیا جائے گا، چوتھا قول جو امام شافعی سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اور مجاہدین دونوں کے حصہ سے دیا جائے گا۔

لیکن حقیقت یہ ہے فقہاء شافعیہ میں محققین کا رجحان اسی طرف ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مد باقی ہے اور اس کا مصداق نومسلم اور مسلمانوں کے بعض خاص گروہ ہیں؛ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں :

ولكن الموافق لظاهر الآية ثم لسياق الشافعی والاصحاب اثبات سهم المؤلفة وأنه يستحقه الصنفان الأولان وأنه يجوز صرفه إلى الاخرين ايضا وبه افتى الماوردی فی كتابه " الاحكام السلطانية " هذا آخر كلام الرافعی ، وهذا الذی صححه هو الصحيح ، وهو الصرف إلى الاصناف الاربعة من سهم المؤلفة ، والله اعلم ۔ (۲)

لیکن ظاہر آیت اور امام شافعی اور ان کے اصحاب سے منقول روایات سے ہم آہنگ بات یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مد ثابت ہے اور پہلی دو صنفیں (مسلمان) اس کے مستحق ہیں اور بعد کی دو صنفوں (کفار) پر بھی خرچ کرنا جائز ہے، علامہ ماوردی نے اپنی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' میں اسی پر فتویٰ دیا ہے، یہی علامہ رافعی کا آخری کلام ہے اور یہی رائے جس کو انھوں نے صحیح قرار دیا ہے، صحیح ہے کہ مؤلفۃ القلوب کی چاروں قسمیں زکوٰۃ کی مستحق ہیں۔

(۱) كتاب المجموع:۱۱۷/۶ (۲) كتاب المجموع:۱۱۷/۶

اسی طرح فقہاء شوافع میں علامہ فخر الدین رازی اگر چہ زکوٰۃ سے مؤلفۃ القلوب کی مد کو مسلمانوں کے لئے مخصوص مانتے ہیں؛ لیکن اس آیت کو غیر منسوخ قرار دیتے ہیں :

والصحيح أن هذا الحكم غير منسوخ وأن للامام أن يتألف قوما على هذا الوصف ويدفع اليهم سهم المؤلفة ، لأنه لا دليل على نسخه البتة ۔ (۱)

صحیح یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے اور امام کے لئے جائز ہے کہ وہ اس وصف کے مطابق کسی قوم کی تالیف قلب کرے اور انھیں مؤلفۃ القلوب کا حصہ دے؛ کیوں کہ اس آیت کے منسوخ ہونے پر یقیناً کوئی دلیل موجود نہیں۔

فقہاء حنابلہ کے یہاں مؤلفۃ القلوب کی مذکورہ تمام قسموں ـــ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ـــ کے لئے زکوٰۃ کا استحقاق باقی ہے :

فكل هؤلاء يجوز الدفع اليهم من الزكاة ؛ لأنهم من المؤلفة قلوبهم فيدخلون فى عموم الآية ۔ (۲)

ان تمام قسموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؛ کیوں کہ وہ مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں؛ اس لئے وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

فقہاء مجتہدین میں امام ابوجعفر طبری اسی کے قائل ہیں کہ مؤلفۃ القلوب کا مد باقی ہے :

..... وقد اعطى النبى صلى الله عليه وسلم من اعطى من المؤلفة قلوبهم بعد أن فتح الله عليه الفتوح وفشا الاسلام وعز أهله ، فلا حجة لمحتج بان يقول : لا يتالف اليوم على الاسلام احد لامتناع اهله بكثرة العدد ممن ارادهم وقد اعطى النبى صلى الله عليه وسلم من اعطى منهم فى الحال التى وصفت ۔ (۳)

.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مؤلفۃ القلوب کو عطا فرمایا، ان کو اس وقت عطا فرمایا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے تھے، اسلام پھیل چکا تھا اور اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا؛ لہٰذا کسی شخص کے لئے یہ استدلال کرنا

(۱) مفاتيح الغيب:۶۹/۵

(۲) الشرح الكبير مع المقنع والإنصاف:۲۳۵/۷-۲۳۶

(۳) جامع البيان:۲۰۹/۱۰

درست نہیں کہ اب اسلام کے لئے کسی کی تالیف قلب نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ اہل اسلام کثرت تعداد کی وجہ سے ان لوگوں سے محفوظ ہو چکے ہیں، جو ان کے بارے میں برا ارادہ رکھتے ہیں؛ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے جن لوگوں کو عطا فرمایا، وہ اس حال میں عطا فرمایا، جس کا میں نے ذکر کیا۔

پس حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں مطلقاً مؤلفۃ القلوب کی مد نہیں، حنابلہ مطلقاً مؤلفۃ القلوب کی مد کے باقی رہنے کے قائل ہیں، مالکیہ غیر مسلم مؤلفۃ القلوب کو اس مد کا مصرف تسلیم کرتے ہیں، شوافع کے اقوال مختلف ہیں؛ لیکن محققین کے نزدیک مسلمان مؤلفۃ القلوب کی مد باقی ہے، علامہ طبری اور بعض دوسرے اہل علم ابن شہاب زہری، ابوسعد، حسن بصری وغیرہ، (۱) کے نزدیک بھی یہ مد باقی ہے، گویا جمہور کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کی مد باقی ہے؛ کیوں کہ خود قرآن مجید میں صراحتاً اس مصرف کا ذکر موجود ہے اور یہی ان کے نقطۂ نظر پر کافی وشافی دلیل ہے۔

حنفیہ نے عام طور پر دعویٰ کیا ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا ہے؛ کیوں کہ حضرت عمر نے بعض لوگوں کی جن کی اس مد سے مدد کی جاتی تھی، اعانت سے انکار کر دیا تھا؛ لیکن یہ دعویٰ محل نظر ہے، اولاً تو خود حضرت عمر نے نہیں فرمایا کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اب انھیں اس مد سے دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی، چنانچہ علامہ مقدسی لکھتے ہیں :

ولا يثبت النسخ بترک عمر و عثمان و علی رضی الله عنهم اعطاء هم ، ولعلهم لم يحتاجوا اليه ، فتركوا ذلک لعدم الحاجة إلى اعطاء هم لا لسقوط سهمهم ، ومثل هذا لا يثبت النسخ به ، والله اعلم ۔ (۲)

حضرت عمر اور حضرت عثمان وعلی (رضی اللہ عنہم) کے ان لوگوں کے نہ دینے کی وجہ سے مؤلفۃ القلوب کے مد کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے، شاید وہ لوگ اب اس کے محتاج نہ رہے ہوں، پس حاجت نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات نے چھوڑ دیا ہو، اس وجہ سے نہیں کہ ان کا حصہ ساقط ہو گیا ہے اور اس طرح کی بات (یعنی محض احتمال) سے کسی حکم کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

دوسرے : صحیح یہی ہے کہ جو حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو، اجماع کے ذریعے وہ منسوخ نہیں ہوسکتا؛ چنانچہ علامہ اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں :

(۱) روح المعانی:۹/۱۷۸

(۲) الشرح الكبير مع المقنع والانصاف:۷/۲۳۴

فمنهم من ارتكب جواز نسخ ما ثبت بالكتاب بالاجماع بناء على أن الاجماع حجة قطعية كالكتاب وليس بصحيح من المذهب ۔ (۱)

ان میں سے بعض وہ ہیں، جو اس قول کے مرتکب ہوئے ہیں کہ جو بات کتاب اللہ سے ثابت ہو، وہ اجماع سے منسوخ ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ اجماع بھی قرآن ہی کی طرح قطعی دلیل ہے؛ لیکن یہ قول مذہب حنفی کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ اس حکم کی علت ''اعزاز اسلام'' یعنی اسلام کو تقویت پہنچانا ہے، ابتداء اسلام میں مؤلفۃ القلوب کو دینے میں اسلام کا اعزاز تھا، اور اب نہ دینے میں اعزاز ہے؛ لہٰذا علت کے ختم ہوجانے کی وجہ سے یہ مصرف بھی ختم ہوگیا، علامہ ابن ہمام کے الفاظ میں :

لان الواجب كان الاعزاز وكان بالدفع ، والآن هو فى عدم الدفع ۔ (۲)

اس لئے کہ جو چیز واجب ہے، وہ یہ کہ اسلام کو اعزاز ہو اور پہلے یہ اعزاز زکوٰۃ دینے میں تھا اور اب زکوٰۃ نہ دینے میں ہے۔

علامہ بابرتی نے اس استدلال پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے :

ويرد بأن الحكم فى البقاء لا يحتاج إلى علته كما فى الرمل والاضطباع فى الطواف ۔ (۳)

اور اس کا جواب یہ ہے کہ حکم اپنے باقی رہنے میں علت کا محتاج نہیں ہوتا؛ جیسا کہ طواف میں رمل اور اضطباع۔

نیز اگر علت کے ختم ہوجانے کی وجہ سے حضرت عمر نے اپنے دور میں اس مد کو ختم کردیا، تو موجودہ دور میں کفر کے غلبہ کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ دوبارہ یہ علت لوٹ آئی ہے؛ اسی لئے محققین احناف نے اس کو منسوخ کہنے سے اختلاف کیا ہے، ایک محقق ہندوستانی مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں :

قلت : لا يخفى أن قول عمر لا يحتمل أن يكون ناسخا الخ ۔ (۴)

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کا یہ قول ناسخ نہیں بن سکتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے۔

---

(۱) عنايه بهامش الفتح:۲/۱۰ (۲) فتح القدير:۲/۲۰۱

(۳) العنايه بهامش الفتح:۲/۲۰۱ (۴) التفسير المظهرى:۴/۲۳۶

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ عالمی حالات، عیسائی مشنریز کی طرف سے بے پناہ مالی وسائل کا استعمال اور دعوتِ دین کے لئے وسائل کی ضرورت کے پس منظر میں ان فقہاء کی رائے زیادہ قابل قبول ہے، جن کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کا مد باقی ہے، اس مد سے اسلام پر استقامت کے لئے نومسلموں کی اور اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ایسے غیر مسلموں کی مدد کی جانی چاہئے، جن کے مسلمان ہونے کی توقع ہو اور بوقتِ ضرورت اگر کچھ شر پسند غیر مسلموں کے شر سے مسلمانوں کو بچانے اور اسلام کے خلاف ان کی دریدہ دہنی کو روکنے کے لئے ضرورت پڑ جائے، تب بھی اس مد سے تعاون کیا جانا چاہئے۔

خلاصۂ بحث

(۱) تنظیمی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی۔

(۲) دعوتی کاموں میں زکوٰۃ کی بجائے دوسری مدات کی رقم خرچ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ لیکن اگر یہ فراہم نہ ہوسکیں، تو غیر مسلموں کو اسلام کی طرف مائل کرنے، اسلام کے خلاف ان کی دریدہ دہنی کو روکنے اور نو مسلموں کو اسلام پر ثابت قدم رکھنے کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؛ البتہ ضروری ہوگا کہ اشخاص وافراد کو اس کا مالک بنایا جائے، خواہ روپئے کی شکل میں ہو یا کسی اور مادی مدد کی شکل میں یا کتابوں کی شکل میں۔

(۳) دعوتی اسفار یا داعیوں کی تنخواہ، دعوتی سنٹر کی تعمیر یا لائبریری کے قیام وغیرہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ ان کا تعلق انتظامِ دعوت سے ہے نہ کہ تالیفِ قلب سے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

○ ○ ○

تعلیمی ضرورتوں کے لئے زکوٰۃ کا استعمال

خالد سیف اللہ رحمانی

اسکولوں، کالجوں اور یونیورسیٹیوں میں طلبہ کو تعلیم دلانے کے لئے زکوٰۃ کا موضوع بڑا اہم ہے؛ کیوں کہ ایک طرف تعلیم کی بڑی اہمیت ہے اور دوسری طرف زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں اور اس میں قیاس واجتہاد کو دخل نہیں، اس پس منظر میں زیر بحث مسئلہ پر غور کرتے ہوئے درج ذیل اُمور پیش نظر رہنے چاہئیں :

(۱) اسلام کی نظر میں دنیوی اُمور سے متعلق تعلیم کا کیا درجہ ہے؟

(۲) کیا طلبہ وطالبات کے لئے تعلیم حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے اور ہے تو کس حد تک؟

(۳) جو لوگ حرمانِ زکوٰۃ کے بقدر مال کے بالفعل مالک ہوں؛ لیکن یہ ان کی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے کافی نہ ہو، تو کیا ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

(۴) فقیر اور مالدار یعنی زکوٰۃ کے مستحق ہونے اور نہ ہونے میں لڑکے اپنے والدین کے تابع ہوں گے یا نہیں؟ یعنی اگر والدین زکوٰۃ کے مستحق نہ ہوں، تو کیا ان کے بچے بھی زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوں گے؟ نیز اس سلسلے میں بالغ اور نابالغ بچوں کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ؟

(۵) تعلیمی ضرورت کے لئے تعاون زکوٰۃ کے بنیادی مقاصد ومصالح سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

اسلام اور عصری علوم

اسلام کے امتیازات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے علم وتحقیق کی حوصلہ افزائی کی ہے، جو قومیں شرک وبت پرستی میں مبتلا تھیں، وہ مخلوق کی پوجا کیا کرتی تھیں اور انسان جس چیز کو معبود اور مقدس سمجھتا ہے، اس کے بارے میں تحقیق وتجسس کو پسند نہیں کرتا؛ بلکہ ایسا کرنے کو احترام وتقدیس کے خلاف سمجھتا ہے؛ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ابتداء انسانیت سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک سائنس اور کائناتی حقائق کی تلاش کا جو کام ہوا، وہ آپ کی نبوت کے بعد کے ڈیڑھ ہزار سالہ دور میں ہونے والی ترقی کے اعتبار سے بہت معمولی ہے، اسلام نے ہمیں بتایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور زمین وسمندر سے لے کر چاند اور سورج تک تمام چیزیں انسان کی خادم

ہیں نہ کہ انسان کی مالک، انسان کا معبود تو وہ خدا ہے، جو پوری کائنات کا خالق اور رب ہے، اس فکر نے علم وتحقیق کے دروازے کھولے، علمی تجسس کو فروغ دیا اور اس طرح کائنات کی مخفی حقیقتوں سے پردہ اُٹھنے لگا۔

اس لئے اسلام نہ صرف دینی علوم؛ بلکہ ہر علم نافع کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، قرآنِ مجید کی مختلف آیات میں مطلقاً علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے :

قل : هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ؟ (۱)

آپ کہہ دیجئے! کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات ۔ (۲)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا، اللہ ان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مقامِ مدح میں حقائقِ اشیاء کے علم کا ذکر کیا گیا ہے :

علم آدم الاسماء كلها ۔ (البقرة:۳۱)

اور اللہ نے آدم کو تمام ناموں کا علم عطا فرمایا۔

وعلمناه صنعة لبوس ..... ۔ (الانبياء:۸۰)

احادیث میں بھی علم دین کے ساتھ ساتھ مطلق علم یا دوسرے نافع علوم کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعاء فرمایا کرتے تھے :

اللهم إنى اسئلك علما نافعا ۔ (۳)

اے اللہ! میں آپ سے علم نافع کا طلب گار ہوں۔

اور اس کے مقابلہ میں آپ سے یہ دُعاء بھی منقول ہے :

اللهم إنى اعوذ بك من علم لا ينفع ۔ (۴)

اے اللہ! میں علم غیر نافع سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر علم نافع اسلام میں مطلوب ہے، خواہ اس کا نفع دینی زندگی اور آخرت سے متعلق ہو یا دنیوی زندگی سے۔

---

(۱) الزمر:۹ (۲) المجادلة:۱۱

(۳) سنن ابن ماجه ، كتاب اقامة الصلوٰة والسنة فيها، حدیث نمبر:۹۲۵

(۴) مسلم ، كتاب الذكر والدعاء ..... باب التعوذ من شرما عمل ومن مالم يعمل، حدیث نمبر:۲۷۲۲

طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم ۔ (۱)

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

من سلک طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له به طريقا إلى الجنة ۔ (۲)

جو شخص حصولِ علم کے لئے راستہ چلے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے راستہ کو آسان فرمادیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر علم نافع کی تحصیل کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

الحكمة ضالة المومن فحيث وجدها فهو أحق بها ۔ (۳)

حکمت کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے؛ لہٰذا وہ اس کو جہاں پائے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔

ایک اور حد درجہ ضعیف روایت میں یہ بھی منقول ہے :

اطلبوا العلم ولو بالصين ۔

علم حاصل کرو، اگر چہ چین میں حاصل کرسکو۔

ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں چین سے دینی علوم کا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا؛ اس لئے اگر یہ روایت صحیح ہو، تو اس میں دنیوی علوم ہی مراد ہوسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے ان مشرک قیدیوں کے لئے جو لکھنے پڑھنے سے واقف تھے، دس مسلمان بچوں کو نوشت وخواند سکھانے کو فدیہ قرار دیا۔

اسلامی علوم ظاہر ہے کہ عربی زبان میں تھے؛ لیکن آپ نے غیر عربی زبان کے سیکھنے کی بھی ترغیب دی؛ چنانچہ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے :

أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتعلم السريانية ۔ (۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں سریانی زبان سیکھوں۔

---

(۱) ابن ماجه ، باب فضل العلماء، حدیث نمبر:۲۲۴

(۲) مسلم ، كتاب الذكر و الدعاء ..... باب فضل اجتماع تلاوة القرآن، حدیث نمبر:۲۶۹۹

(۳) ترمذی ، كتاب العلم ، باب فضل الفقه على العبادة، حدیث نمبر:۲۶۸۷

(۴) بخاری ، ابوداؤد ۔

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جن سے ہر علم نافع کی حوصلہ افزائی اور ترغیب معلوم ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مزاج شناس حضرات صحابہ تھے، ان سے بھی ایسے علوم کی ترغیب منقول ہے، جو دنیوی منفعت سے متعلق ہوں؛ چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا :

العلم علمان ، علم الفقه للأديان وعلم الطب للأبدان ۔ (۱)

حقیقت میں علم دو ہی ہیں: علم فقہ طریقۂ زندگی کو جاننے کے لئے اور علم طب اصلاحِ بدن کے لئے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا :

العلم ضالة المومن ۔ (۲)

علم مومن کا گم شدہ مال ہے؛ اس لئے اسے حاصل کرو، اگرچہ مشرکین سے حاصل ہو۔

مسلمان فقہاء اور مفکرین نے بھی ہمیشہ نافع دنیوی علوم کو قابل مدح سمجھا ہے؛ چنانچہ مشہور اسلامی مفکر امام ابوحامد الغزالی فرماتے ہیں :

فالعلوم التی لیست بشرعیة ، تنقسم إلی ماهو محمود ، إلی ماهو مذموم وإلی ماهو مباح ، فالمحمود ما یرتبط به مصالح أمور الدنیا کالطب والحساب ، وذلک ینقسم إلی ما هو فرض کفایة وإلی ما هو فضیلة ولیس بفرض ، أما فرض الکفایة ، فهو علم لا یستغنی عنه فی قوام امور الدنیا کالطب ، إذهو ضروری فی حاجة بقاء الابدان ، وکالحساب فإنه ضروری فی المعاملات والقسمة والوصایا والمواریث وغیرهما ..... فإن أصول الصناعات أیضا من فروض الکفایات کالفلاحة والحیاکة والسیاسة بل الحجامة والخیاطة ، فإنه لو خلا البلد من الحجام تسارع الهلاک إلیهم ..... وأما ما یعد فضیلة لا فریضة ، فالتعمق فی دقائق الحساب وحقائق الطب وغیر ذلک مما یستغنی عنه ، ولکنه یفید زیادة قوة فی القدر المحتاج إلیه ، وأما المذموم فعلم السحر والطلسمات وعلم الشعبدة والتلبیسات ،

(۱) مفتاح السعادة:۳۰۲ (۲) عن عبد الله بن عبید بن عمر ، کتاب الذهب ، باب ما قالوا فی البکاء من خشیة الله، حدیث نمبر:۳۵۷۱۴، کشف الخفاء:۱۳۸/۲، حدیث نمبر:۱۱۵۹

وأما المباح منه ، فالعلم بالاشعار التی لا سخف فیها وتواریخ الأخبار وما یجری مجراه ۔ (۱)

جوعلوم شرعی نہیں ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں: قابل تعریف علم، مذموم علم اور مباح علم، محمود علم وہ ہے، جس سے دنیا کے مصالح متعلق ہوں، جیسے طب اور حساب، اور ان میں بعض فرض کفایہ ہیں اور بعض مستحب ہیں فرض نہیں، فرض کفایہ وہ علم ہے جس سے اُمور دنیا کے معاملہ میں مستغنی نہیں رہا جاسکتا، جیسے طب؛ کہ یہ جسمانی بقا کے لئے ضروری ہے، اور جیسے حساب کہ یہ معاملات کے لئے ضروری ہے، نیز تقسیم، وصیت، میراث وغیرہ..... نیز صنعتی علوم بھی فرضِ کفایہ میں سے ہیں، جیسے کاشتکاری، کپڑا بنائی، سیاست؛ بلکہ پچھنا لگانا اور ٹیلرنگ؛ اس لئے کہ اگر شہر پچھنا لگانے والے سے خالی ہوجائے، تو وہاں ہلاکت بڑھ جائے گی اور جو علوم مستحب کے درجہ میں ہیں، فرض نہیں ہیں، وہ ہیں حساب اور طب کی گہرائیوں میں اترنا وغیرہ، جس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے؛ لیکن یہ بقدر حاجت مہارت میں تقویت کا باعث بنتے ہیں، اور علم مذموم سحر، طلسمات، شعبدہ بازی اور تلبیس پر مبنی علوم ہیں، مباح علم میں ایسے اشعار کا علم ہے، جن میں یاوہ گوئی نہ ہو، اسی طرح تاریخ وغیرہ کے علوم۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی نے ان علوم کی وضاحت کرتے ہوئے جو فرض کفایہ ہیں، لکھا ہے :

فیتناول ماهو دینی کصلاة الجنازة ودنیوی کالصنائع المحتاج الیها ..... قال فی تبیین المحارم : وأما فرض الکفایة من العلم ، فهو کل علم لا یستغنی عنه فی قوام أمور الدنیا کالطب والحساب ..... وأصول الصناعات والفلاحة کالحیاکة والسیاسة والحجامة ۔ (۲)

پس فرضِ کفایہ میں بعض دینی علوم بھی ہیں، جیسے: نماز جنازہ، اور بعض دنیوی علوم بھی، جیسے وہ صنعتیں جن کی ضرورت پڑتی ہے، ..... تبیین المحارم میں لکھا ہے: ہر وہ علم فرضِ کفایہ میں شامل ہے، جو دنیوی زندگی کے قائم رہنے میں ناگزیر ہو، جیسے طب، حساب ..... صنعت کے اُصول، کاشتکاری، بُنائی، سیاست اور پچھنا لگانا۔

(۱) إحیاء علوم الدین: ۱/۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۳ھ

(۲) ردالمحتار: ۱/۱۲۶، المقدمة۔

حاصل یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں دنیوی ضرورتوں سے متعلق علوم کی بھی بڑی اہمیت ہے، وہ اسے فرضِ کفایہ سمجھتا ہے اور فرض کفایہ سے مراد یہ ہے کہ اتنے لوگ اس علم کے حامل ہوں کہ اس ضرورت کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے، اگر اتنے افراد اس علم کے حامل مہیا نہ ہوں، تو پھر یہی فرضِ کفایہ فرضِ عین کے درجہ میں آجاتا ہے، مثلاً لوگوں کی ضرورت کے اعتبار سے اوسطاً دس ہزار کی آبادی پر دس ڈاکٹر ہونے چاہئیں؛ لیکن پانچ ہی ڈاکٹر مہیا ہیں، تو سمجھا جائے گا کہ یہ آبادی علم طب سے متعلق فرضِ کفایہ ادا نہیں کر رہی ہے اور ایسی صورت میں اگر مثلاً پانچ افراد نے میڈیکل تعلیم کے لئے اپنی اہلیت ثابت کردی، تو ہوسکتا ہے کہ اُن پر اِن حالات میں میڈیکل تعلیم کا حاصل کرنا فرضِ عین کے درجہ میں آجائے۔ واللہ اعلم

کیا تعلیم حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے؟

ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا تعلیم کا شمار ان بچوں کے لئے حاجت اصلیہ کے درجہ میں ہے، جو ابھی سماج کے عرف کے مطابق حصولِ تعلیم کے مرحلہ میں ہیں، اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی معروف کتاب فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے :

> **هی ما یدفع الهلاک عن الانسان تحقیقاً کالنفقة ودور السکنی وآلات الحرب والثیاب المحتاج الیها لدفع الحر والبرد أو تقدیرا کالدین وکآلات الحرفة وأثاث المنزل و دواب الرکوب وکتب العلم لاهلها ..... فإن الجهل عندهم کالهلاک ۔** (۱)
>
> حاجت اصلیہ وہ چیزیں ہیں، جو انسان سے ہلاکت کو دور کریں، یہ کبھی حقیقتاً ہوگا، جیسے نفقات، رہائشی مکانات، آلات دفاع، ٹھنڈک اور گرمی سے بچنے کے لئے کپڑے، کبھی معنیً وتقدیراً ہوگا، جیسے دین، صنعتی آلات، مکان کے ضروری سامان، سواری کے جانور اور اہل علم کے لئے علمی کتابیں ..... کیوں کہ جہل ان کے نزدیک ہلاکت کی طرح ہے۔

چنانچہ اکثر فقہاء احناف نے کتابوں کو علماء کے لئے حاجتِ اصلیہ میں شمار کیا ہے اور چاہے کئی نصاب کے بقدر کتابیں موجود ہوں، پھر بھی اس کو موجب زکوٰۃ نہیں ٹھہرایا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں :

> **یجوز للعالم وإن کانت له کتب تساوی نصبا کثیرة علی تفصیل**

(۱) الفتاویٰ التاتار خانیة:۲/۲۹۷

ما قدمناه فيها إذا كان محتاجا إليها للتدريس أو بالحفظ أو التصحيح ، ولو كانت ملك عامي وليس له نصاب تام لا يحل دفع الزكاة له ؛ لانها غير مستغرقة في حاجته فلم تكن كثياب البذلة ، وعلى هذا جميع آلات المحترفين إذا ملكها صاحب تلك الحرفة وغيره ۔ (۱)

عالم کے لئے زکوٰۃ جائز ہے، اگر اس کے پاس اتنی کتابیں ہوں کہ پہلے ذکر کی ہوئی تفصیل کے مطابق بہت سے نصاب کے مساوی ہوسکتی ہوں ؛ بشرطیکہ وہ تدریس یا حفظ یا تصحیح کے لئے ان کا محتاج ہو، اور اگر وہ کسی عام شخص کی ملکیت ہو، جس کے پاس زکوٰۃ کا مکمل نصاب نہ ہو، تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہوگا ؛ اس لئے کہ وہ اس کی حاجت کو پورا نہیں کرتیں ؛ لہٰذا وہ استعمالی کپڑوں کی طرح نہیں ہیں، یہی حکم کاریگروں کے آلات کا ہے، جب اس پیشہ کا ماہر اس کا مالک ہو اور جب کوئی دوسرا شخص اس کا مالک ہو۔

یہی بات دوسرے فقہاء نے بھی لکھی ہے۔(۲)

فقہاء نے حاجاتِ اصلیہ میں تعلیم کا باضابطہ ذکر نہیں کیا ہے ؛ کیوں کہ اس زمانے میں عام طور پر مفت تعلیم کا انتظام تھا، اس کے لئے گراں بار فیس ادا نہیں کرنی پڑتی تھیں ؛ لیکن فقہاء کا درس وتدریس کی نسبت سے کتابوں کو حاجاتِ اصلیہ میں شمار کرنا علم کو تقدیراً دافع ہلاکت قرار دینا اور جہل کو ہلاکت کے درجہ میں رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ موجودہ حالات میں تعلیم بھی حاجاتِ اصلیہ میں شامل ہے، پھر یہ کہ فقہاء نے نفقہ کو حاجتِ اصلیہ میں شمار کیا ہے اور تعلیمی اخراجات کو بھی طلبہ کے لئے نفقہ کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے ، تو تعلیمی اخراجات بھی حاجاتِ اصلیہ میں شامل ہیں، یعنی اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب ہو ؛ لیکن یہ نصاب تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے سے قاصر ہو، تو اس کے لئے زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ فقہاء کے یہاں ہمیں یہ رجحان بھی ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب ہو ؛ لیکن طلب علم میں مشغول ہو اور اس وجہ سے وہ بقدر کفایت کما نہیں سکتا، تو اس کے لئے بعض فقہاء زکوٰۃ لینے کی اجازت دیتے ہیں ؛ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں :

وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له

(۱) فتح القدير:۲۲۶/۲،كتاب الزكوٰة۔

(۲) دیکھئے:طحطاوی على المراقی:۳۸۹

أخذ الزكوٰة ولوغنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم ۔ (۱)

یہ جو وجہ بیان کی گئی ہے، اس سے واقعات کی اس روایت کو تقویت پہنچتی ہے کہ طالب علم کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے؛ اگر چہ وہ مال دار ہو؛ بشرطیکہ اس نے اپنے آپ کو علم کے افادہ کے لئے فارغ کر دیا ہو۔

نیز علامہ ابن عابدین شامیؒ جامع الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں :

وفی المبسوط : لا يجوز دفع الزكوٰة إلى من يملك نصاباً إلا طالب العلم والغازى ومنقطع الحاج لقوله عليه الصلاة والسلام يجوز دفع الزكوٰة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة ۔ (۲)

اور مبسوط میں ہے کہ جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو، اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، سوائے طالب علم، مجاہد اور اخراجاتِ سفر سے محروم ہو جانے والے حاجی کے؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؛ اگر چہ اس کے پاس چالیس سال کا نفقہ موجود ہو۔

ہر چند کہ یہ بات کہ چالیس سال کا نفقہ موجود ہو، تب بھی زکوٰۃ لینی درست ہے، نہ نقل کے مطابق ہے اور نہ عقل کے اور نہ فقہ حنفی کے قواعد کے؛ تاہم اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ طالبانِ علم کی تعلیمی ضرورت کو فقہاء نے زکوٰۃ کے باب میں بھی خاص اہمیت دی ہے اور اسے ایک انسانی حاجت تسلیم کیا ہے، حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے یہاں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے؛ چنانچہ علامہ تقی الدین ابن نجار حنبلی فرماتے ہیں :

وان تفرغ قادر على التكسب للعلم ، لا للعبادة ، وتعذر الجمع أعطى ۔ (۳)

اگر کمائی پر قادر شخص علم کے لئے فارغ ہو جائے نہ کہ عبادت کے لئے اور کسبِ معاش اور حصولِ علم دونوں کو جمع کرنا دشوار ہو، تو اسے زکوٰۃ دی جائے گی۔

لیکن ایک اہم اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ تعلیم کے حصول کی کوئی انتہاء نہیں ہے، تو کس درجہ تک کی تعلیم انسان کے لئے حاجت سمجھی جائے گی؟ کیوں کہ تعلیم کے مرحلے تو پرائمری سے پی ایچ ڈی تک پہنچتے ہیں اور اس کے

(۱) الدر المختار مع الرد:۲۸۵/۳،كتاب الزكوٰة ، باب المصرف۔

(۲) ردالمحتار:۲۸۵/۳،كتاب الزكوٰة ، باب المصرف۔

(۳) منتهى الارادات:۵۱۵/۱،باب اهل الزكوٰة۔

بعد بھی علم وتحقیق کے راستے کھلے ہوئے ہیں، اس لئے جیسے فقہاء نے انسان کے استعمال میں آنے والی چیزوں میں ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے درجے رکھے ہیں، اسی طرح تعلیم میں بھی مختلف درجات مقرر کرنے ہوں گے، اتنی تعلیم جو کسی ملک میں ہر شہری کے لئے لازم قرار دی گئی ہو اور جہاں لازم قرار نہیں دی گئی ہو، تو اتنی تعلیم جس کی وجہ سے انسان سند یافتہ پڑھا لکھا شمار کیا جاتا ہو، کو حاجت کا درجہ قرار دیا جاسکتا ہے، غالباً یورپ، امریکہ وکناڈا وغیرہ میں بارہویں جماعت تک کی تعلیم ہر شہری کے لئے لازم ہے؛ اس لئے اس حد تک تعلیم کے اخراجات کو حاجتِ اصلیہ میں شمار کیا جاسکتا ہے، یعنی اگر یہ حاجت مہیا نہ ہو، تو چاہے وہ صاحبِ نصاب ہو، اس کے لئے زکوٰۃ کا لینا درست ہوگا۔ واللہ اعلم

ضروریات کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ

تیسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب ہو؛ لیکن اس سے اس کی ضروریات پوری نہیں ہو پاتی ہوں، تو کیا اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہوگا؟ — اس سلسلے میں علامہ ابن ہمامؒ نے اُصولی بات لکھی ہے :

ويجوز صرف الزكوٰة لمن لا تحل له المسألة بعد كونه فقيرا ولا يخرجه عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية ، إذا كانت مستغرقة بالحاجة ۔ (۱)

اس شخص کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، جس کے لئے سوال کرنا حرام ہو، سوائے اس کے کہ وہ فقیر ہو، اور بہت سے غیر نامی نصاب کا مالک ہوجانا اسے فقر کے دائرہ سے باہر نہیں نکالتا ہے، اگر اس دولت کا اس کی ضرورت احاطہ کئے ہوئی ہو۔

اس سلسلے میں علامہ علاء الدین کاسانیؒ کی یہ بات قابل توجہ ہے :

وذكر في الفتاوى : فيمن له حوانيت ودور الغلة ؛ لكن غلتها لا تكفيه ولعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد وزفر ، وعند ابى يوسف لا يحل ، وعلى هذا إذا كان له أرض وكرم ؛ لكن غلته لا تكفيه ولعياله ولو كان عنده طعام للقوت يساوى مأئتى درهم ، فإن كان كفاية شهر تحل له الصدقة ، وإن كان كفاية سنة ، قال بعضهم : لا تحل ، وقال بعضهم : تحل ، لأن ذلك مستحق الصرف إلى الكفاية والمستحق ملحق بالعدم ۔ (۲)

(۱) فتح القدير:۲۶۶/۲،كتاب الزكوٰة۔

(۲) بدائع الصنائع:۱۵۹/۲، كتاب الزكوٰة ، دفع الزكوٰة لمالك نصاب يخاف الحاجة۔

فتاویٰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جس کی ملگیاں اور کرایہ کے مکانات ہیں؛ لیکن اس کا کرایہ اس کو اور اس کے بچوں کو کافی نہ ہو پاتا ہو، تو وہ فقیر ہی ہے، اس کے لئے امام محمدؒ وامام زفرؒ کے نزدیک زکوٰۃ لینا حلال ہے؛ لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال نہیں، یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے پاس زمین اور انگور کا باغ ہو؛ لیکن اس کی پیداوار اس کے لئے اور اس کے بچوں کے لئے کافی نہ ہو؛ اگر چہ اس کے پاس خوراک کے لئے اتنا کھانا موجود ہو، جو دو سو درہم کے مساوی ہو، پھر اگر ایک مہینہ کے بقدر کفایت اس کے پاس موجود ہو، تو زکوٰۃ اس کے لئے جائز ہوگی اور اگر ایک سال کے بقدر کفایت ہو، تو بعض حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہوگی اور بعض کے نزدیک اب بھی جائز ہوگی؛ اس لئے کہ بقدر کفایت خرچ تو اس سے متعلق لوگوں کا حق ہے، اور جس مال سے کسی کا حق متعلق ہو، وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہوتا ہے۔

نیز فتاویٰ بزازیہ میں ہے :

وكذا لو كان له حوانيت ودور غلتها عشرة آلاف أو أزيد ، لكن لا يكفي لخرجه لقوته وقوت عياله ، يجوز صرف الزكوٰة إليه عند محمد ۔ (۱)

اسی طرح اگر اس کی ملگیاں اور مکانات ہو، جس کا کرایہ دس ہزار یا اس سے زیادہ ہو؛ لیکن اس کی اور اس کے بچوں کی خوراک کے لئے یہ آمدنی کافی نہ ہوتی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

اسی بنا پر فقہاء حنفیہ نے ایسے شخص کو مقدار نصاب سے زیادہ زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دی ہے، جس کی ضرورت مقدار نصاب سے پوری نہیں ہوسکتی ہے :

هذا إذا اعطى مأتي درهم وليس عليه دين ولا له عيال ، فإن كان عليه دين ، فلا باس بأن يتصدق عليه قدر دينه وزيادة مادون المائتين ، وكذا إذا كان له عيال يحتاج إلى نفقتهم وكسوتهم ۔ (۲)

یہ اس وقت ہے، جب کہ اسے دو سو درہم دیا جائے؛ حالاں کہ نہ اس پر دین باقی ہو

(۲) البزازية على هامش الهنديه:۸۵/۴، كتاب الزكوٰة ، الثانی فی المصرف۔

(۲) بدائع الصنائع:۱۶۰/۲

اور نہ اس کے زیر پرورش کچھ لوگ ہوں؛ چنانچہ اگر اس پر دین باقی ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کو اس کے دین کے بقدر دوسو درہم سے زیادہ صدقہ کیا جائے، ایسا ہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ اس کے زیر پرورش لوگ ہوں، جن کو نفقہ اور لباس کی حاجت ہو۔

امام مالک کے نزدیک جس شخص کے پاس چالیس درہم ہو، اُصولی طور پر اس کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی؛ لیکن فقہ مالکی کی معروف کتاب ''التاج والاکلیل'' میں ہے :

من المدونة : قال مالک : یعطی منها من له اربعون درهما ، إن کان اهلاً لذلک لکثرة عیال ونحوه ..... أو صنعة أجاز مالک أن یعطی الشاب الصحیح من الزکوٰة ، وقال اللخمی : إن کان للصحیح صناعة تکفیه وعیاله لم یعط ، ولا فرق بین أن یکون غنیا بمال أو صنعة ، یقوم منها عشیة وان لم یکن فیها کفایة أعطی تمام کفایته وإن کسدت أولم یکن ذا صنعة ولم یجد مایحترف به أعطی وان کان مایجد مایحترف به لو تکلف ذلک کان موضع الخلاف ۔ (۱)

مدونہ میں ہے: امام مالک نے فرمایا: جس شخص کے پاس چالیس درہم ہو، اس کو بھی زکوٰۃ دی جائے گی، اگر وہ زیر پرورش لوگوں کی کثرت وغیرہ کی وجہ سے اس کا مستحق ہو، اسی طرح اس شخص کو بھی دیا جاسکتا ہے، جو کاریگر ہو، امام مالک نے اجازت دی ہے کہ صحت مند نوجوان کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور علامہ لخمی فرماتے ہیں کہ اگر تندرست آدمی کے پاس کوئی ہنر ہو، جو اس کی اور اس کے زیر پرورش لوگوں کے لئے کافی ہوجائے، تو اسے نہیں دیا جائے گا اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ مال کی بنا پر مالدار ہو یا ہنر کی بنا پر، جس کے ذریعہ اپنی زندگی کی ضروریات کو پوری کرلیتا ہو اور اگر بقدر کفایت ثروت حاصل نہ ہو، تو اسے ضرورت کی تکمیل کے بقدر دیا جائے گا، اور اگر جو پیسے اس کے پاس تھے، اس کا چلن ختم ہوگیا یا وہ صاحبِ ہنر بھی نہ ہو تو اسے دیا جائے گا، اور اگر اس کو ایسی چیز میسر ہو، جس کے ذریعہ وہ محنت کرکے کما سکتا ہو؛ بشرطیکہ کوشش کرے، تو یہ صورت اختلاف کی ہے۔

(۱) التاج والاکلیل لمواق بهامش مواهب الجلیل:۲۲۰/۳-۲۲۲،کتاب الزکوٰة ، فضل فی مصارف الزکوٰة۔

فقہاء شوافع میں امام نووی کا بیان ہے :

قال اصحابنا : وسواء كان المال الذى يملكه المسكين نصابا أو أقل أو أكثر إذا لم يبلغ كفايته ، فيعطى تمام الكفاية ۔ (۱)

ہمارے اصحاب نے کہا کہ مسکین جس مال کا مالک ہے، چاہے وہ مقدارِ نصاب ہو یا اس سے کم یا زیادہ، اگر بقدر کفایت نہ ہو، تو بقدر کفایت پورا کرنے کے لئے اس مسکین کو زکوٰۃ دی جائے گی۔

فقہاء حنابلہ کے یہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ بقدر کفایت ان لوگوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، خواہ مال کی مقدار کتنی بھی ہو :

..... الثانى : مسكين من يجد نصفها أو أكثرها ويعطيان تمام كفايتها مع عائلتهما سنة حتى ولو كان احتياجها بإتلاف مالهما فى المعاصى ومن ملك ولو من أثمان ما لا يقوم بكفايته ، فليس بغنى ۔ (۲)

زکوٰۃ کا دوسرا مصرف مسکین ہے، جس کو مقدار کفایت کا نصف یا اس سے زیادہ میسر ہو، اور ان دونوں (فقیر و مسکین) کو اتنا دیا جائے گا کہ زیر پرورش لوگوں کے ساتھ ان کی ایک سال کی ضروریات پوری ہوجائیں؛ اگرچہ وہ بقدر کفایت کا محتاج گناہوں میں مال کو تلف کرنے کی وجہ سے ہوا ہو، اور جو شخص اتنے ثمن کا بھی مالک ہوجائے، جس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوسکے تب بھی وہ غنی نہیں ہے۔

کیا زکوٰۃ میں لڑکے اپنے والد کے تابع ہیں؟

چوتھی قابل بحث بات یہ ہے کہ جو طلبہ وطالبات تعلیم حاصل کرتے ہیں، وہ مالدار اور محتاج یا زکوٰۃ کے مستحق ہونے اور نہ ہونے میں والدین کے تابع ہوں گے یا ان کی شخصیت مستقل سمجھی جائے گی؟ اور ان کے اپنے معاشی معیار کے اعتبار سے ان کے مستحق ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟ —— میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں بنیادی طور پر بالغ اور نابالغ کی تقسیم کرنی چاہئے۔

بالغ لڑکوں کے سلسلے میں شریعت کا اُصول یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود مکلّف ہیں اور ان کی شخصیت اپنے والدین

(۱) المجموع:۱۱۵/۶، باب قسم الصدقات، نیز دیکھئے:۴۰۹/۳، سهر الفقراء ۔

(۲) منتهى الارادات:۵۱۵/۱، باب اهل الزكوٰة۔

سے جداگانہ اورالگ شخصیت ہے، اس سے جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر والد زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہو؛ لیکن وہ خود زکوٰۃ کا حقدار ہو، تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؛ چنانچہ فقہاء حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ مالدار شخص کی نابالغ اولاد کو تو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی؛ لیکن بالغ لڑکے کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؛ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے :

ولا إلى ولد غنى إذا كان صغيرا ؛ لأنه يعد غنيا بيسار أبيه بخلاف ما إذا كان كبيرا فقيرا ؛ لأنه لا يعد غنيا بيسار أبيه وإن كانت نفقته عليه ۔ (۱)

اورزکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے، مالدار شخص کے نابالغ لڑکے کو؛ اس لئے کہ اپنے باپ کی دولت کی بناپر وہ بھی دولت مند سمجھا جائے گا ؛ بخلاف اس صورت کے جب کہ لڑکا بالغ اورمحتاج ہو؛ کیوں کہ وہ اپنے باپ کے دولت مند ہونے کی وجہ سے غنی شمار نہیں ہوتا، اگر چہ کہ اس کا نفقہ باپ پر ہی ہو۔

نیز علامہ علاء الدین حصکفی کا بیان ہے :

ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير وأبيه وامرأته الفقراء وطفل الغنية ، فيجوز لانتفاء المانع ۔ (۲)

زکوٰۃ مالدار شخص کے نابالغ بچے کو نہیں دی جاسکتی ؛ بخلاف اس کے بالغ لڑکے، باپ اور بیوی کے، جو فقراء میں شامل ہوں، اور مالدار عورت کے نابالغ بچے کے، کہ ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؛ اس لئے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔

نیز علامہ حصکفی کی اس عبارت پر نوٹ چڑھاتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے :

ولا إلى طفله أى الغنى ، فيصرف إلى البالغ ولو ذكراً صحيحا ۔ (۳)

اور ''زکوٰۃ مالدار کے نابالغ بچے کو نہیں دی جاسکتی'' سے مراد یہ ہے کہ بالغ اولاد کو دی جاسکتی ہے؛ اگر چہ کہ وہ تندرست ہوں۔

دوسرے فقہاء کے یہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ جب لڑکا بالغ ہوجائے اور وہ کسب معاش پر قادر ہو، تو چاہے وہ کمانہ رہا ہو، پھر بھی باپ پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری نہیں رہے گی، چنانچہ علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں :

وتجب نفقة الولد على أبيه الحر الموسر بما فضل عن قوته وقوت زوجته

(۱) الهدايه مع الفتح:۲/۲۷۷

(۲) الدر المختار مع الرد:۳/۲۹۸

(۳) ردالمحتار:۳/۲۹۸۔

أو زوجاته وهذا مجمل ، فصله بقوله " الذكر " الحر الفقير العاجز عن الكسب حتى يبلغ عاقلاً قادراً على الكسب ، فتسقط عن الاب ۔ (۱)

بیٹے کا نفقہ اس کے آزاد خوشحال باپ پر واجب ہوگا؛ بشرطیکہ اس کی خوراک اور اس کی بیوی یا بیویوں کی خوراک سے بچ رہے، یہ اجمالی گفتگو ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکا ہو، جو آزاد ہو، کمانے سے عاجز ہو، تو اس کا نفقہ واجب ہوگا؛ یہاں تک کہ اگر وہ اس حال میں بالغ ہو کہ عاقل اور کمانے پر قادر ہو، تو باپ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ جب بالغ اور فی الجملہ کمانے پر قادر ہونے کی صورت میں باپ پر نفقہ واجب نہیں ہوتا، تو اب غنا اور احتیاج میں اس کی اپنی حالت کا اعتبار ہوگا۔

فقہاء شوافع کے نزدیک بھی جب لڑکا بالغ ہو جائے اور وہ خود کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو، تو باپ پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوتا :

وإن كان الولد بالغاً صحيحا محتاجا غير مكتسب ففيه طريقان : من اصحابنا من قال : فيه قولان كالوالدين ، ومنهم من قال : لا تجب نفقته قولا واحد ؛ لأن حرمة الوالد آكد فاستحق مع الصحة ، والولد أضعف حرمة فلا يستحق مع الصحة ، هذا مذهبنا ۔ (۲)

اگر لڑکا بالغ اور تندرست ہو؛ لیکن کماتا نہ ہو، تو اس کے نفقہ واجب ہونے کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں : ایک روایت یہ ہے کہ اس سلسلے میں والدین ہی کی طرح امام شافعی کے دو قول ہیں، دوسری رائے یہ ہے کہ ایک ہی قول ہے کہ نفقہ واجب نہیں ہوگا؛ چوں کہ والدین کی حرمت زیادہ ہے؛ اس لئے وہ تو صحت مند ہونے کے باوجود نفقہ کے مستحق ہوں گے، اور اولاد کی حرمت کم ہے؛ اس لئے صحت مند ہونے کی صورت میں وہ نفقہ کا مستحق نہیں ہوگا۔

البتہ فقہاء حنابلہ کے نزدیک نفقہ کے مستحق ہونے اور نہ ہونے کا لڑکے کے بالغ ہونے اور نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ محتاج ہونے اور نہ ہونے سے ہے۔(۳)

---

(۱) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي:۵۰۳/۳

(۲) كتاب المجموع:۱۳۹/۲۰، نیز دیکھئے:البيان فى مذهب الامام الشافعى:۲۵۲/۱۱

(۳) دیکھئے:المغنى:۳۷۸/۱۱،مع تحقيق عبد الله عبد المحسن التركى، نیز دیکھئے:المعتمد:۳۳۰/۲

تاہم حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص کمانے پر قادر ہو؛ لیکن وہ اپنے آپ کو تعلیم کے لئے فارغ کرے، تب بھی اسے زکوۃ دی جاسکتی ہے :

وإن تفرغ قادر على التكسب للعلم لا للعبادة وتعذر الجمع أعطى ۔ (۱)

کمانے پر قادر لڑکا اگر اپنے آپ کو علم کے لئے فارغ کرلے نہ کہ عبادت کے لئے، نیز کسب معاش اور تعلیم کو جمع کرنا دشوار ہو، تو اسے زکوۃ دی جائے گی۔

فقہاء کی ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ جو لڑکے بالغ ہوں اور حصولِ تعلیم میں لگے ہوئے ہوں، وہ زکوۃ کے مستحق ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے اپنے والد کے تابع نہیں ہیں، یعنی ان کی اپنی مالی حیثیت کے اعتبار سے اگر وہ اتنی دولت کے مالک نہ ہوں، جو استحقاقِ زکوۃ میں مانع ہوتی ہے، تو ان کے لئے تعلیم یا کسی اور مقصد کے تحت زکوۃ کا لینا درست ہے۔

اگر ایک خاص حد تک تعلیم کو ضرورت سمجھتے ہوئے نفقہ کا جز مانا جائے، تو یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ لڑکیوں کے نکاح تک اور لڑکوں کے بالغ ہونے کے بعد بھی ـــ اگر وہ تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہونے کی وجہ سے کمانہ پاتے ہوں ـــ نفقہ والد پر واجب ہوتا ہے؛ چنانچہ علاء الدین حصکفی کا بیان ہے :

وكذا تجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثىٰ مطلقاً و زمن ومن يلحقه العار بالتكسب وطالب علم لايتفرغ لذلك كذا فى الزيلعى والعينى ۔ (۲)

بالغ لڑکا جو کسبِ معاش سے عاجز ہو کا نفقہ واجب ہوگا، جیسا کہ لڑکی کا نفقہ واجب ہوتا ہے مطلقاً، خواہ وہ کمانے پر قادر ہو یا نہ ہو، اسی طرح معذور کا نفقہ اور اس شخص کا نفقہ جس کے لئے کسب معاش باعث عار ہو، اور اس طالب علم کا نفقہ بھی واجب ہوگا، جو کسب معاش کے لئے فارغ نہ ہوسکتا ہو۔

اس سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ اگر والدین میں استطاعت ہو، تو ضرورت کے درجہ میں جو تعلیم ہے، اس کے اخراجات برداشت کرنا والد پر واجب ہے اور اگر والد اس ذمہ داری کو پورا کرنے پر آمادہ ہو تو ظاہر ہے کہ لڑکے کے لئے بالغ ہونے کے باوجود زکوۃ لینا جائز نہیں ہوگا۔

---

(۱) منتهى الارادات:۵۱۵/۱۔ (۲) الدرالمختار مع الرد:۳۴۱/۵، كتاب الطلاق ، باب النفقه ، نیز دیکھئے:فتح القدير:۲۷۴/۲،المحيط البرهانى:۳۴۳/۴

اگر لڑکے اور لڑکیاں نابالغ ہوں تو فقہاء نے ان کو والدین کے تابع رکھا ہے؛ کیوں کہ والدین پر ان کا نفقہ واجب ہے، اگر والدین زکوٰۃ کے مستحق ہوں تو ان پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، اور وہ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوں تو ان پر زکوٰۃ کی رقم کا خرچ کرنا درست نہیں ہوگا، جیسا کہ فقہاء کی مذکورہ عبارتوں سے واضح ہے؛ البتہ اگر والدین ضروری حد تک (جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے) بچوں کی تعلیم دلانے کی استطاعت نہیں پاتے ہیں تو ان کے لئے بقدر کفایت زکوٰۃ کی رقم سے استفادہ کرنے کی اجازت ہوگی، جیسا کہ اوپر تفصیل گذر چکی ہے۔

تعلیم اور زکوٰۃ کے مقاصد

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ زکوٰۃ کے بنیادی طور پر دو مقاصد ہیں: فقراء کی ضرورت کو پوری کرنا اور اسلام کی حفاظت واشاعت اور تائید وتقویت؛ چنانچہ مشہور فقیہ ومحدث علامہ ابوجعفر طبریؒ فرماتے ہیں :

والصواب من القول فی ذلک عندی أن الله جعل الصدقة فی معنيين : أحدهما : سدخلة المسلمين والآخر : معونة الإسلام وتقويته ، فما كان فی معونة الإسلام وتقوية أسبابه فإنه يعطاه الغنی والفقير ؛ لأنه لا يعطاه من يعطاه بالحاجة منه إليه وإنما يعطاه معونة للدين وذلک كما يعطی الذی يعطاه بالجهاد فی سبيل الله ، فإنه يعطی ذلک غنيا كان أو فقيرا للغز ولا لسدخلته ، وكذلک المؤلفة قلوبهم يعطون ذلک وإن كانوا اغنياء ۔ (۱)

میرے نزدیک اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے دو مقاصد رکھے ہیں: ایک مسلمانوں کی ضرورت کو پوری کرنا، دوسرے اسلام کی مدد اور اس کو طاقت پہنچانا، اسلام کی مدد اور تقویت سے متعلق مداتِ زکوٰۃ میں سے مالدار اور محتاج دونوں کو زکوٰۃ دی جائے گی؛ اس لئے کہ اس کو اس کی ذاتی ضرورت کے لئے زکوٰۃ نہیں دی جارہی ہے؛ بلکہ دین کی مدد کے لئے دی جارہی ہے؛ جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جاتی ہے کہ یہ غنی کو بھی دی جائے گی اور محتاج کو بھی، جہاد کے لئے نہ کہ اس کی ذاتی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے، ایسے ہی مؤلفۃ القلوب کو بھی زکوٰۃ دی جائے گی، اگرچہ کہ وہ غنی ہوں۔

(۱) جامع البيان:۲۰۹/۱۰

یہ بات گذر چکی ہے کہ تعلیم بھی ایک حاجت کا درجہ رکھتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مغربی ملکوں میں مسلمان طلبہ و طالبات کو اسلامی اسکولوں میں تعلیم کا موقع نہ ہو، وہ سرکاری درسگاہوں میں تعلیم حاصل کریں، تو عقیدۂ وعمل کے اعتبار سے ان میں دین حق سے انحراف پیدا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے؛ اس لئے بعض حالات میں اگر زکوٰۃ سے ان کی مدد کی جائے؛ تو زکوٰۃ کے دونوں بنیادی مقاصد ومصالح کی اس سے تکمیل ہوگی۔

خلاصۂ بحث

پس اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ :

(۱) اُمور دنیا سے متعلق نافع علوم کا حاصل کرنا اسلام میں مطلوب ومحبوب ہے۔

(۲) ضروری حد تک علم کی تحصیل حاجت میں داخل ہے، اور ضروری حد سے مراد اتنی تعلیم حاصل کرنا ہے، جو کسی ملک میں تمام شہریوں کے لئے لازم قرار دی گئی ہو۔

(۳) مغربی ممالک میں سرکاری درسگاہیں فواحش ومنکرات کی داعی ونقیب ہیں، اس لئے اگر کوئی بالغ لڑکا یا نابالغ لڑکے کے والدین اتنی استطاعت نہ پاتے ہوں کہ ضروری حد تک اسلامی اسکول میں تعلیم جاری رکھ سکیں، تو اگرچہ ان کی دوسری ضروریات پوری ہوجاتی ہوں، پھر بھی ان کے لئے اسلامی ماحول میں تعلیمی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

(۴) جو لڑکے بالغ ہوں اور تعلیمی اخراجات کے بقدر کما لیتے ہوں یا نہیں کماتے ہوں؛ لیکن ان کے والدین ان پر خرچ کرنے کو تیار ہوں، ان کے لئے تعلیم کی غرض سے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

(۵) جو طلبہ وطالبات نابالغ ہوں؛ لیکن ان کے والدین کے پاس خوراک، ملبوسات، رہائش گاہ اور علاج وغیرہ کے بقدر ضرورت فراہمی کے بعد کوئی شئ یا نقد روپے اتنے موجود ہوں کہ بچے کی تعلیمی فیس ادا کرسکے اور وہ نصاب زکوٰۃ کے بہ قدر کسی مال کے مالک ہوں، تو ان کے لئے بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں، یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا، جب خود اس نابالغ لڑکے یا لڑکی کی ملکیت میں اتنی دولت موجود ہو، جس سے اس کو تعلیم دلائی جاسکے۔

(۶) اگر بچے نابالغ ہوں، تو والد پر ان کی تعلیم کا نظم کرنا واجب ہے، اور اگر وہ بالغ ہوچکے ہوں؛ لیکن تعلیم میں مصروف ہوں، تب بھی چوں کہ والد پر بشرطِ استطاعت ان کا نفقہ واجب ہے؛ اس لئے بشرطِ استطاعت ان پر تعلیمی اخراجات کو برداشت کرنا بھی واجب ہوگا۔

○ ○ ○